مفاہمتی عمل کے لیے پائیدار حکمت عملی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شہزاد چنا*

ABSTRACT:

The Prophet Sallah-e-alayehe-wasallam stands unique among preacher for he not only presented a model of the procedure of propagation but also gave its principles, which serve as the best guide for Muslim Ummah. Today it is Muslims who are projected as extremesists and fundamentalists. Very little efforts are made to ask Muslims or Islam directly about what they really believe and practice. We are living in an age of communication which has brought to us enormous information with unbelievable fast speed. This article attempts to present a study of life of Prophet Sallah -e-alayehe wasallam.

اسلام امن وسلامتی، ایثار و ہمدردی اور غم خواری وغم گساری کا دین ہے جس کا پیغام اور نظام فلاحِ معاشرہ اور اصلاحِ انسانیت ہے۔ اسلام ایک اصلاحی، فلاحی، اجتماعی اور روحانی دین اور نظام ہے۔ لہٰذا اُن تمام پہلوؤں سے انسان کی رہنمائی کرتا ہے جن میں اس کے دین اور آخرت کی بہتری اور بھلائی ہے۔ اسلام چونکہ انسانیت کا دین ہے، لہٰذا وہ انسانی معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے۔ اسلام اپنے پیروں کاروں کے اندر صبر و برداشت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان کی روزمرہ کی زندگی کے تمام تر مسائل کا حل اور معاشرتی وسماجی زندگی بسر کرنے کے تمام اصول وضوابط اسلامی تعلیمات میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ہمارے دین نے ہمیں اِخلاص بھی سکھایا ہے اور افہام وتفہیم سے مسائل کا حل ڈھونڈنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر بھائی چارہ ہو اور نیت صاف ہو، رواداری اور امن کا ماحول ہو تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہوسکتا جس کا حل اسلامی تعلیمات میں نہ مل سکے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبیٔ مہربان ﷺ کا اسوۂ مسلم امۃ کی رہنمائی وکامرانی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ آج کے دور کے پیچیدہ مسائل کا حل بھی نبوی تعلیمات میں پنہاں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کی قیادت وسیادت کو نبیٔ اکرم ﷺ کے زندگی سے روشناس کرایا جائے۔

* ریسرچ اسکالر، شعبہ اصول دین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی برقی پتا: shahzadchanna@yahoo.com

تاریخ موصولہ: ۶ نومبر ۲۰۱۱ء

اسوۂ حسنہ:

آپؐ کی حیات طیبہ اقوام عالم کے لیے بہترین نمونہ بنادی گئی ہے۔آپؐ کی مبارک زندگی کائنات کے تمام لوگوں کے لیے اور دنیا کے لیے مثالی زندگی ہے۔ نبیٔ اکرمﷺ کوصرف پیکر رشد وہدایت بنا کر ہی نہیں مبعوث فرمایا بلکہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو دائمی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ(۱)

’’یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آپؐ کی سیرۃ طیبہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔اگر کوئی صاحب ثروت ہے تو مکہ کے تاجر اور مدینہ کے تاجدار کو دیکھے،اگر کوئی غریب ہے تو شعب ابی طالب کے محصور اور مدینہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان کو دیکھے،اگر کوئی بادشاہ ہے تو یثرب کے سلطان کو دیکھے۔اگر کوئی فاتح ہے تو فتح مکہ میں کامیابی پانے والے سپہ سالار کو دیکھے۔اگر کوئی استاد ہے تو صفہ کی درس گاہ میں درسِ حدیث دینے والے معلم کو دیکھے۔ اگر کوئی تنہا و بے کس ہے تو سفر طائف میں پتھر کھا کر بارگاہ الٰہی میں دامن پھیلانے والے کو دیکھے۔اگر کوئی یتیم ہے تو آمنہ کے لعل کو دیکھے۔الغرض آپؐ کی حیات مبارکہ تمام تر شعبہ ہائے زندگی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبیٔ اکرمﷺ کو اس کامل واکمل نظام حیات اور ضابطہ اخلاق کا معلم ومدرس بنا کر مبعوث فرمایا گیا اور اس پر باقاعدہ باری تعالیٰ نے احسان جتلا کر فرمایا:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ ۚ وَ اِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ○(۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ ان میں ان ہی (لوگوں) میں سے ایک رسول بھیجا جوان کو اس کی آیات سناتا ہے اور تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘

نبیٔ اکرمﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دوسروں کی خدمت، بہتری اور فلاح کے لیے وقف تھا۔آپؐ کے ذریعے جہالت،کم علمی،تعصب،بدی،گمراہی فسق وفجور،فتنہ وفساد،قتل وغارت کے سب دروازے بند ہوگئے۔آپؐ نے لوگوں کو نیکی،فلاح اور اللہ کے احکامات کی طرف بلایا۔معاشرے میں سماجی برائیوں کو دور کرکے انسانوں کو انسانیت کا درس دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب خاتم الانبیاء حضرت محمدﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت مختلف قبائل کئی ناگفتہ حالات سے دوچار تھے، پورا عرب ابتری اور زبوں حالی کا شکار تھا۔دنیا کی ہر برائی ان لوگوں میں گھر کیے ہوئے تھی۔قوت برداشت کا یہ حال تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی مسائل پر سالہا سال تک کشت وخون ہوتا رہتا تھا۔ایسے معاشرے میں آپؐ کا مبعوث ہونا اور پھر اس کو بام عروج تک پہنچانا،آپؐ کی جامعیت واکملیت کا مظہر ہے۔جس سے معاشرے میں محدود بلکہ چند گنتی

کے افراد معمولی لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، ان کو نا صرف زیور تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ دنیا میں رہنے کے وہ دائمی اصول وضوابط سکھائے جو رہتی دنیا تک اقوام کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اس عرب معاشرہ کو تہذیب و تمدن کے ان اعلیٰ طور اطوار سے مزین فرمایا کہ وہ عرب جو اپنی بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، آج مخلوق خدا کے لیے راستوں سے کانٹوں اور روڑوں کو ہٹا رہے ہیں کہ کہیں کسی کو ایذا و تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہزاروں معبودوں کی پرستش کرنے والوں کو ایک ذات الٰہی کے حضور سر بسجود کیا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات:

آپ محبت و رحمت کا عظیم پیکر تھے۔ آپؐ کی رحمت و شفقت سب کے لیے یکساں تھی۔ سابقہ امتوں میں جو نبی مبعوث ہوئے وہ صرف ایک خاص قوم اور خاص مدت کے لیے تھے۔ ان کی تعلیمات کا تعلق اسی قوم اور اسی حوالے سے ہوتا تھا، مگر نبیٔ اکرم ﷺ چونکہ تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے رسول بن کر آئے اس لیے آپؐ کی تعلیمات میں اس قدر جامعیت ہے کہ قیامت تک کے انسان خواہ وہ کسی قوم یا کسی دور سے تعلق رکھتے ہوں ان تعلیمات سے رہبری حاصل کر سکتے ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی سیرت عالیہ، آپؐ کا حسن خلق، آپؐ کی راواداری، تحمل مزاجی، دور بینی، دور اندیشی، بہادری، مردانگی، اٹل قوت ارادی اور خدا پر لازوال یقین نے آپؐ کو وہ منصب عطا کیا ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ آپؐ نہ صرف سچے اور رحم دل انسان تھے بلکہ جری، بہادر اور باطل سے ٹکرا جانے کا عزم رکھنے والی ایک آہنی چٹان بھی تھے۔ آپؐ نے سرزمین عرب میں جہالت کی تاریکی دور کر کے علم و آگہی، عقل و دانش اور فکر کا وہ دور شروع کیا جہاں نہ تو ہمات کے پردے تھے نہ تعصب کی بڑائی تھی نہ ظلم و ستم، نہ جبر و قہر، ضد اور غصہ۔ جہاں نہ امیر کا فرق تھا نہ غریب کا، جہاں نہ کوئی آقا تھا نہ غلام، نہ عربی تھا نہ عجمی، سب تسبیح کے دانوں کی طرح مختلف نسلوں، گروہوں، قبیلوں، ملکوں کے لوگ ایک دھاگے یعنی اسلام کے نام سے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے یا جیسے ایک پھولوں کی مالا تھی۔ آپؐ نے دکھوں کو جھیلا، جنگیں لڑیں، جنگوں میں ہار جیت کا مزہ بھی چکھا۔ کفار کی شورشیں اور اذیتیں بھی برداشت کیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ روشنی کا ایسا مینار ہیں جو بھٹکے ہوئے مسافروں کو منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ آپؐ کی تعلیمات اتنی پائیدار اتنی دوررس ہیں کہ انھیں جھٹلانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ آپؐ کی رحمت، شفقت، ہمدردی کا وہ سرچشمہ ہیں جس سے تمام بنی نوع انسان فیض یاب ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

خلقِ عظیم:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ آپؐ کا اخلاق کیسا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن(۳)

''یعنی تمام قرآن آپؐ کا اخلاق تھا۔''

نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہر مقام پر خلق عظیم کا مظاہرہ فرمایا۔ مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، غار ثور میں ہوں یا

شعب ابی طالب میں، دارارقم میں ہوں یا طائف کے سفر پر، مقام بدر ہو یا غزوہ احد۔ آپؐ نے کبھی بھی اخلاق حسنہ کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ آپؐ کے اخلاق کی عظمت تھی کہ مخالف بھی آپ کی عظمت کو تسلیم کرتے چلے گئے لیکن اگر آپ خلق عظیم کے بجائے سختی اور درشتی کا مظاہرہ فرماتے تو یوں لوگ آپؐ کے قریب نہ آتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍO(۴)

’’اے پیغمبر! آپ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔‘‘

یہ نبیٔ اکرمﷺ کے اخلاق کی عظمت ہے جن لوگوں نے آپؐ کے دندان مبارک شہید کیے، آپؐ نے ان کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

’’اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا کر، پس یہ نہیں جانتے۔‘‘

دورِ حاضر میں امن وآشتی اور مفاہمتی عمل کے لیے پائیدار حکمت عملی کی جس قدر ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی بھی نہ رہی ہو۔ اس وقت دنیا میں ہتھیاروں کا پھیلاؤ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ مسلمان اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ پیغام امن کی امین ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ نے اپنے آخری رسولﷺ کے ذریعے بھیجا ہے۔ مایہ ناز سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوری کے مطابق:

> ’’حضور اکرمﷺ کے اسوۃ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ معاشرے میں امن کے فروغ کے لیے کام کیا ہے۔ آپؐ نے دیگر قبائل اور مذاہب سے جس قدر معاہدات فرمائے، ان سب کا مقصد امن کا قیام ہی تھا۔ فتح مکہ کا دن ظاہراً بدامنی کا دن ہونا چاہیے تھا لیکن آپؐ نے بدترین دشمنوں کے لیے بھی امن کے دروازے کھول دیے۔‘‘(۵)

دوسری طرف قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الۡعَفۡوَ وَ اۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَO(۶)

’’معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔‘‘

نبی اکرمﷺ کی وسیع القلبی اور خوش گفتاری:

نبیٔ اکرمﷺ کی وسیع القلبی اور خوش گفتاری متاثر کن تھی۔ آپؐ کا دل دوسروں کی ہمدردی اور محبت سے اس حد تک مملو رہتا کہ آپؐ ہر لمحے ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ آپؐ کسی بات کا برا مناتے۔ کفار کی شورشیں جب نقطہ عروج پر تھیں تو لوگ آتے جاتے آپؐ پر پھبتیاں کستے تھے۔ آپؐ کے منہ پر جو چاہتے کہہ ڈالتے تھے۔ آپؐ کی تضحیک

کرتے تھے، مگر آپؐ اپنے ماتھے پر ناراضگی کی شکن تک نہ آنے دیتے تحمل ورواداری سے دوسروں کو بات سنتے۔ پھر ایسے شیریں لہجے میں اپنا مدعا بیان کرتے کہ جس میں خفگی، طنز واستہزاء کا کوئی جملہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی اسی اعلیٰ ظرفی، خوش اخلاقی اور تحمل مزاجی پر آپؐ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَ لَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَ شَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ(۷)

''یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے ساتھ نرم ہو ورنہ اگر تم زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو پھر یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ کر الگ ہو جاتے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ نرمی کی خو جو حضرت محمد ﷺ کو ودیعت کی گئی ہے دراصل اللہ کی رحمت ہے اور پھر آپؐ کی خوش بیانی اور اعلیٰ ظرفی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور سمجھانے میں کتنی مددومعاون ہے۔ اگر نبیٔ اکرم ﷺ بھی مخالفین کی اشتعال انگیز گفتگو کا جواب اسی انداز میں دینے والے ہوتے تو پھر یہ پیغام لوگوں تک پہنچنا اور بھی مشکل ہو جاتا۔ لوگ آپؐ کے قریب آنے سے گھبراتے۔ اللہ کا پیارا رسول ﷺ کیسے کیسے جسمانی وروحانی زخم کھا کر بھی نرم دلی، سکون اور خیر خواہی ترک نہیں کرتا اور سب کے لیے دعائیں ہی کرتا ہے۔ یہ رسول دل میں سب کے لیے کتنی ہمدردی اور پیار اور خلوص رکھتا ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے کردار کی عظمت کا یہی پہلو آپؐ کے رحمت للعالمین ہونے کی دلیل ہے۔

مفاہمتی عمل کے لیے نبوی اسوۃ کا فروغ:

یہاں ہجرت کے بعد کے حالات وواقعات لکھنے کی گنجائش نہیں ہے اور ہمارا مقصد بھی ان سے متعلق نہیں ہے، مگر نبیٔ اکرم ﷺ جو پورے عالم کی ہدایت واصلاح اور پوری دنیا میں قیام امن وامان کا مقصد عظیم لے کر تشریف لائے تھے، آپؐ نے کن اصولوں اور کن طریقوں سے اس مہم کو سر کیا، جس کے نتیجے سے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد دعوت حق کے راستے سے ایک بہت بڑا سنگ گراں تو ہٹ گیا کہ مکہ میں رہتے ہوئے مسلمان ہونا اور رہنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا تھا۔ یہاں مسلمانوں کو اس سے کسی قدر امن ملا اور تعداد بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ یہی وہ مدنی دور نبوت ہے جس میں اسلام کے تعمیری کاموں کا آغاز ہوا اور اسلام کی سب سے پہلی چھوٹی سی حکومت مدینہ طیبہ میں قائم ہوگئی۔ لیکن جس طرح مصلح اعظم کے اصلاح خلق کے لیے ابتدائی کارنامے عام دنیا کے طور طریق سے مختلف، سادگی اور سہولت پر مبنی تھے اسی طرح اس انوکھی حکومت اسلام کے دستور، قانون اور تنفیذی مشنری بھی ساری دنیا سے مختلف بنی۔ جس میں انصاف نہایت سہل اور فوری اور مفت تھا۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے مکی ومدنی حیاۃ طیبہ میں دیگر مذاہب جن میں یہود ونصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے انسانی بنیادوں پر رواداری اور محبت وہمدردی کا خوب اظہار فرمایا۔ میثاقِ مدینہ انسانی تاریخ میں واحد بے مثال دستاویز ہے جس سے آپؐ کا تدبر اور وقت کے حالات پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ عالم

اسلام کے مایہ ناز محقق اور عالم دین ڈاکٹر حمید اللہؒ اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

''دنیا کا پہلا تحریری دستور، جس میں مدینہ کی حدود میں بسنے والے دیگر مذاہب کے باشندوں کے سیاسی، معاشرتی، قانونی اور مذہبی حقوق کا تحفظ کیا گیا۔''(۸)

میثاقِ مدینہ کی چند دفعات قابل غور ہیں؛

۱۔ یہود اور مسلمان اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔

۲۔ ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر سگالی، نیکی اور بھلائی کے ہوں گے۔

۳۔ جو مظلوم ہوگا اس کی مدد کی جائے گی۔

۴۔ یثرب کی وادی میثاق کے فریقوں کے لیے واجب الاحترام ہوگی۔

۵۔ پڑوسی اور پناہ دینے والے کو وہی حقوق ہوں گے جو اپنی ذات کے۔(۹)

درج بالا معاہدے کے شقوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت، تدبر اور وقت کی حکمت عملی کو سمجھنے میں رہنمائی ملتی ہے، کہ کس طرح اس وقت کے حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہو دین اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کے استحکام کے لیے ایک معاہدہ تشکیل دیا گیا جس سے مسلمانوں کو استحکام اور امن نصیب ہوا اور دوسری طرف کفار مکہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مضبوط مقام مل گیا۔

حکمتِ عملی کا مفہوم:

اس موقع پر ہمیں حکمت عملی کو مفہوم کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ حکمت عملی کیا ہے؟ حکمت کی معنی دانائی اور سمجھ بوجھ سے حق بات کو پا لینے کے ہیں۔ کسی کام کو کرنے کا اسلوب، طریق کار، منہج وطریقہ حکمت عملی کہلاتا ہے۔ جس کے لیے انگریزی میں (Policy) کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کسی کام یا منصوبہ بندی کی کامیابی اور کارکردگی کا دارومدار اس کی حکمت عملی پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر حکمت عملی پائیدار، بہترین اور کارآمد ہے تو یقیناً منصوبہ جلد یا بدیر پایہ تکمیل تک ضرور پہنچے گا۔ اگر حکمت عملی میں جھول ہو تو خوبصورت سے خوبصورت اور بہترین سے بہترین مقاصد کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ مفاہمت کے لیے حکمت عملی کا جاندار ہونا بہت ضروری ہے۔

حجر اسود کی تنصیب فہم و فراست کی اعلیٰ مثال:

نبیٔ اکرم ﷺ کے اسوۃ مبارکہ کے مطالعے سے ہمیں ایسے بے شمار واقعات ملیں گے جس سے معاشرے میں لوگوں کی اصلاح، برداشت کا جذبہ، تحمل وبردباری، عفو ودرگزر اور ایثار وقربانی جیسے عناصر کو پروان چڑھانے میں مدد ملے گی۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل حجر اسود کو کعبہ میں نصب کرنے کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ بعض قبائل عرب نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کرنے کے لیے مختلف حصے باہم تقسیم کر لیے تھے اور جب تعمیر کا کام مکمل ہو گیا، تو حجر اسود کو نصب کرنے کا

موقعہ آیا۔اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے ہر ایک قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو اس مقام پر نصب کرنے کو شرف صرف اسی قبیلے کو حاصل ہو۔ یہ ایک انتہائی اہم اور پیچیدہ مسئلہ تھا جو بظاہر سلجھتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ہر قبیلہ بے چین تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔عرب کے دستور کے مطابق قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں۔ یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اس سے نمٹنے میں کئی روز لگ گئے، بالآخر انھیں قبائل کے ایک سردار نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اسے حکم تسلیم کر لیا جائے۔اس رائے کو تمام قبائل نے تسلیم کر لیا اور اس طرح یہ سنگین جھگڑا دوسرے دن تک ٹل گیا۔قدرت کی کرشمہ سازی اور محمدﷺ کا اعجاز دیکھیے کہ دوسرے صبح سب سے پہلے جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ نبیٔ اکرمﷺ تھے۔باوجود یہ کہ بہت سے سرداروں نے یہ کوشش کی تھی۔

ہر چند تجویز کے مطابق یہ شرف تنہا آپ کا حصہ تھا۔تاہم آپؐ نے حسن تدبر، معاملہ فہمی، آپ کی فراست کی انفرادیت وشرف میں تمام قبائل کو برابر کا شریک اس طرح بنالیا کہ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اس میں رکھوایا۔ پھر آپؐ نے قبیلہ سے ایک ایک سردار کو منتخب کیا اور ان سے فرمایا کہ چادر کے کناروں کو تھام کر اٹھالیں۔ جب چادر مقام ابراہیم کو برابر آ گئی تو پھر آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کو اصل مقام پر نصب فرمایا۔

حلف الفضول کے معاہدے میں شرکت:

ایک مرتبہ قریش کے چند بھلے آدمیوں نے بھلائی کے کاموں اور غریبوں کی امداد کے لیے ایک انجمن بنائی، جس کا نام ''حلف الفضول'' تھا۔اس انجمن میں آپؐ نے بھی شرکت کی۔اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ طبعاً آپؐ معاشرے کی اصلاح اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے اور ہر اس شخص کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار تھے جو کوئی بھلائی کا کام کرے۔اپنی کم عمری اور ناداری کا تصور بھی تعاون خیر کی راہ میں رکاوٹ نہیں رہا۔(۱۰)

محسنِ انسانیتﷺ کا صبر:

قرآن مجید اور سیرت طیبہ میں ہمیں صبر، شکر اور قناعت کا درس ملتا ہے۔دین اسلام کی ترویج واشاعت اور پھیلاؤ میں صبر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○(۱۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو۔اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں: ''اس بھاری خدمت کا بوجھ اٹھانے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہے وہ تمہیں دو چیزوں سے حاصل ہوگی، ایک یہ کہ اپنے اندر کی صبر کی صفت پرورش کرو۔حقیت میں یہ وہ کلید کامیابی ہے۔جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔''(۱۲)

یعنی اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے، ان کی مدد کرتا ہے، انھیں قوت اور ثابت قدمی عطا کرتا ہے، ان کے ساتھ انس و محبت رکھتا ہے۔ اس کٹھن سفر میں وہ انھیں اکیلے نہیں چھوڑتا۔

صبر کے حوالے سیرت طیبہ کا نبوت کے بعد کا ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ طائف میں نبیٔ اکرم ﷺ نے جن تکالیف، مصائب و آلام اور درد و کرب کا سامنا کیا اور آپؐ کو جو تکالیف پہنچیں انسانی تاریخ میں اس کی مثال ملنا محال ہے اور آپؐ نے صبر و برداشت، تحمل مزاجی، عالی ظرفی کا وہ ثبوت دیا جس کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ اعتدال کی میزان پر آپؐ کے صبر واستقامت کی متاع کے مقابلے میں بڑے بڑے معتدل مزاج صابر اور عزم بالجبر رکھنے والی ہستی کی متاع پاسنگ بھی نہیں ہے۔ اس موقع پر اگر کوئی بڑے سے بڑا کوہ وقار شخص بھی ہوتا تو ہمت ہار بیٹھتا۔ کروڑوں سلام اس پیکر انسانیت محسن اعظم اور ہادی برحق پر جو عرصہ حیات میں کبھی مایوس و بددل نہیں ہوا۔ جس نے کبھی اور کسی حالت میں دامن صبر و امید نہیں چھوڑا۔ یہ تھی آپؐ کی رحمت، یہ تھی آپؐ کی خلق خدا پر شفقت، یہ تھی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے تڑپ، پیغام حق کی صداقت پر پختہ یقین اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی لگن۔ عالم انسانیت میں کوئی دوسرا برگزیدہ وجود اس بلند ترین مقام تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

طائف کا یہی واقعہ دعوت حق کی اساس ثابت ہوا، جس کے نتیجے میں جلد ہی زمین کا بہت بڑا حصہ دعوت حق سے گونج اٹھا۔ اس سلسلے میں تاریخ میں بہت سی راوایات ہیں۔ ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ان جان کے دشمنوں کے لیے بددعائیں نہیں فرمائیں بلکہ لسان نبوت اور سراپا رحمت نے وہ الفاظ ادا فرمائے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

صلح حدیبیہ دعوتِ اسلام کے پھیلاؤ کی عظیم مثال:

صلح حدیبیہ کے پس منظر کے حوالے سے نامور سیرت نگار مولانا صفی الرحمان مبارک پوری رقمطراز ہیں: ''جب جزیرہ نمائے عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتح اعظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے اور مسجد حرام میں، جس کا دروازہ مشرکین نے مسلمانوں پر چھ برس سے بند کر رکھا تھا، مسلمانوں کے لیے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینے کے اندر یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام مسجد حرام میں داخل ہوئے، آپؐ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہؓ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کی۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو اس خواب کی اطلاع دی تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ اور انھوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتلایا کہ آپ عمرہ ادا فرمائیں گے، لہٰذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ آپؐ نے مدینہ اور گرد و پیش کی آبادیوں میں اعلان فرما دیا کہ لوگ آپؐ کے ہمراہ روانہ ہوں لیکن بیشتر اعراب نے

تاخیر کی۔ادھر آپؐ نے دھلے کپڑے پہنے، مدینہ پر ابن ام مکتوم یا نمیلہ لیثی رضہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اپنی قصوانامی اونٹنی پر سوار ہو کر یکم ذی قعدہ ۶ ہجری روز دوشنبہ کو روانہ ہو گئے۔آپؐ کے ہمراہ ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، چودہ سو (اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ سو) صحابہ کرامؓ ہم رکاب تھے۔آپؐ نے مسافرانہ ہتھیا یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا تھا۔'' (۱۳)

درج بالا عبارت کے مطالعے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کن حالات میں سفر کا آغاز کیا اور اس سفر کا مقصد کیا تھا۔چونکہ اسلامی تاریخ میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس صلح کے تفصیل میں جانے بغیر اس کے شرائط کا بغور جائزہ لیں کہ کس طرح نبیٔ اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر یہ معاہدہ کر کے مسلمانوں کو مشکل حالات سے بچایا بلکہ محفوظ کر لیا۔

آپ مزید لکھتے ہیں: ''بہر حال قریش نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہٰذا جھٹ سہیل بن عمر کو معاملات صلح طے کرنے کے لیے روانہ کیا اور یہ تاکید کر دی کہ صلح میں لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے۔ان ہدایات کو لے کر سہل بن عمرو آپ کے پاس حاضر ہوا۔نبی ﷺ نے اسے آتا دیکھ کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''تمہارا کام تمہارے لیے سہل کر دیا گیا۔اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔'' سہیل نے آپ کے پاس پہنچ کر کچھ دیر تک گفتگو کی اور بالآخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں جو یہ تھیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلیں جائیں گے۔اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا۔میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا محمد اسے واپس کر دیں گے لیکن محمد کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔(۱۴)

بظاہر صلح حدیبیہ کے شقوں کو اگر دیکھا جائے تو وہ وقتی طور پر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر حقیقت یہ ہے اگر کوئی شخص اس کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انھیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔انھیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔صلح حدیبیہ درحقیقت اسلام اور مسلمانون کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی کا آغاز تھا اور نبیٔ اکرم ﷺ کی مفاہمت، حکمت، سیاست، دوراندیشی اور تدبر کی اعلیٰ مثال بن کر سامنے آئی۔

فتح مکہ کامیاب حکمتِ عملی کی اعلیٰ مثال:

دینِ اسلام کی دعوت جب نبوت کے آٹھویں سال میں داخل ہوئی تو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں مکہ فتح ہوا۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے حسن تدبر اور فہم وفراست کے سبب یہ عظیم معرکہ انسانی جانوں کے ضیاع کے سوا آسانی سے انجام پایا جو بھی درحقیقت ایک نبوی معجزہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح مبین کے لیے خاص اسباب پیدا فرمائے اور خود قریش کو نادانستہ طور پر اس کا باعث اور محرک بنایا۔ اور ایک ایسا واقعہ ظہور فرمایا جس نے فتح مکہ کو نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر اور ضروری کردیا۔

فتح مکہ کے پس منظر کے حوالے سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں کہ:

''صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی ایک دفعہ تھی کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے عہد و پناہ میں آنا چاہے، وہ ایسا کرسکتا ہے، اور جو شخص قریش کی پناہ اور عہد کو قبول کرنا چاہے، وہ اس میں آزاد ہوگا۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کو ترجیح دی، اور ان کی حمایت اور پشت پناہی قبول کی اور خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور پشت پناہی پسند کی۔ بنو بکر اور خزاعہ میں بہت پرانی دشمنی تھی اور انتقامی کارروائیوں کا ایک سلسلہ جاری تھا اور بعثت کے پہلے سے تھا۔ اسلام نے آکر دونوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی اور اس معاملہ کے سوا کسی اور چیز پر غور کرنے کی فرصت لوگوں کے پاس نہ ہوئی، جب یہ صلح ہوئی اور یہ دونوں قبیلے دو مخالف کیمپوں میں تقسیم ہوگئے، تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت جان کر خزاعہ سے اپنا حساب بے باق کرنا چاہا، بنو بکر کے کچھ لوگوں سے ساز باز کرکے خزاعہ پر اس وقت شبخون مارا جب وہ پانی کے ایک چشمہ کے پاس مقیم تھے، لڑائی ہوئی اور خزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔ قریش نے بنی بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی اور رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، قریش کے بڑے سردار اس جنگ میں شریک ہوئے، یہ لوگ خزاعہ کو دھکیلتے ہوئے حرم تک پہنچ گئے، حرم پہنچ کر قریش کے بعض لوگوں نے کہا، اب ہم حرم میں داخل ہوگئے ہیں، اپنے معبود کا خیال کرو، اپنے معبود کا خیال کرو، جواب ملا کہ آج کے دن کوئی معبود نہیں، بنی بکر آج بدلہ چکالو اس کے بعد تمہیں موقع نہیں ملے گا۔

اس موقع پر عمرو بن سالم الخزاعی رسول اللہ ﷺ سے آکر ملے اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہوکر کچھ اشعار پڑھے اور اس میں آپ کے اور خزاعہ کے درمیان جو عہد و پیمان تھا، اس کا واسطہ دے کر آپؐ کی حمایت و اعانت کے طالب ہوئے، نیز آپ کو اس کی اطلاع کی کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے اور آپؐ کے عہدنامہ اور میثاق کو ختم کردیا ہے اور اس حالت میں جب وہ پانی پر تھے، انھوں نے ان پر شبخون مارا اور رکوع وسجود کی حالت میں ہم لوگ قتل کیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: عمر بن سالم تمہاری ضرور مدد ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس خبر کی مزید تصدیق کرائی جائے، تاکہ قریش کے پاس کہنے کے لیے کوئی

بات نہ رہے، آپؐ نے ان کے پاس ایک آدمی کو بھیجا اور اس کو یہ ہدایت کی کہ ان کے سامنے تین صورتیں رکھے، ایک یہ کہ وہ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیں یا جس نے اس معاہدہ کو توڑا ہے اور خزاعہ پر حملہ کیا ہے، اس سے بے تعلقی کا اعلان کریں، یہ لوگ بنی بکر کی شاخ بنونفاسہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر جیسا انھوں نے کیا ہے، وہی ان کے ساتھ کیا جائے گا، ان کے بعض سرداروں نے کہا کہ ہاں ہم برابر کا جواب پسند کریں گے، اس طرح قریش کی ذمہ داری سے مسلمان بری الذمہ ہو گئے اور ان پر حجت قائم ہو گئی۔'' (۱۵)

یہ تھا وہ پس منظر جس کے بعد فتح مکہ کے لیے حالات ساز گار ہوئے اور تاریخ عالم میں یہ پہلا معرکہ ہو گا جس میں لڑائی کے بغیر معرکہ سر ہوا اور عظیم فاتح نے اس موقع پر بھی حلم، عفو و درگزر اور محبت کا پیغام دیا۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس موقع پر جب آپؐ صاحب اقتدار اور فاتح کی حیثیت میں مکہ میں داخل ہوئے آپ نے اپنے جانی دشمن کے گھر کو بھی امن کا پروانہ عطا فرمایا، جب کہ کفار کے لیے عام معافی کا اعلان کر کے یہ ثابت کیا کہ اسلام ایک عالم گیر دین ہے جو کہ تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ نبی رحمت ﷺ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے معافی اور امن و حفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرما دیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہو سکتا تھا جو خود معافی و سلامتی کا خواہشمند نہ ہو اور اپنی زندگی سے بیزار ہو، آپؐ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اس کو پناہ ملے گی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ محفوظ ہے جو مسجد (حرام) میں داخل ہو گا اس کو امن ہے۔'' (۱۶)

نبئ اکرم ﷺ کی حکمت اور دانش سے مسلمانوں نے یہ عظیم معرکہ بڑی کامیابی سے سرانجام دیا، اس کے بعد جزیرۃ العرب میں دعوت اسلام کا پھیلاؤ بہت تیزی سے ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ فتح مکہ کے بعد ہونے کے حالات پر اثرات کے حوالے سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں:

''فتح مکہ کا عربوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل قبول اسلام کے لیے کھول دیے اور انھوں نے وفدوں اور جماعتوں کی شکل میں آ کر بکثرت اسلام قبول کرنا شروع کیا، کچھ ایسے قبیلے تھے جو قریش کے ساتھ کسی نہ کسی معاہدہ سے وابستہ تھے اور اس معاہدہ کی پابندی ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن رہی تھی، کچھ قبیلے قریش سے ڈرتے تھے اور قریش کی بڑائی اور عظمت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی، جب انھوں نے دیکھا کہ خود قریش نے اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور سر تسلیم خم کر دیا ہے تو ان کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا اور یہ رکاوٹ دور ہو گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر مکہ کو فتح فرمایا اور قریش خواستہ یا ناخواستہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تو عربوں کا اسلام کی طرف ایسا رجوع عام ہوا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔'' (۱۷)

فتح مکہ کے بعد جب کہ سارا عرب آپؐ کے زیرنگوں تھا آپؐ کی وہی سادگی وہی غریب نوازی وہی ہمدردی رہی۔ وہ ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے نہ اپنے لیے شاہانہ گھر بنایا، نہ وہ کروفر سے رہا، نہ اس میں اس کے رتبے نے کوئی تبدیلی پیدا کی۔ آپؐ نے اپنے کردار، عمل، حسن خلق، شائستگی، شرافت، صبر وہمت، ضبط نفس کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے کہ وہ لوگ جو آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ آپ کی عظمت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے انسانی معاشرت، تہذیب وتمدن، رہن سہن، آپس کے تعلقات اور مملکت تک کے بارے میں قرآن اور اپنی تعلیمات کے ذریعے تنا کچھ ہمیں دیا ہے اب انھیں اور کسی راہنمائی یا راہبر کی ضرورت نہیں رہی۔

نبیٔ اکرمﷺ کے تدبر، فہم وفراست، حکمت عملی اور بنی نوع انسانوں کی تعمیر اخلاق کے لیے جس طرح تربیت اور تزکیہ کا اہتمام کیا گیا، شاید ہی کسی اور نبی کی تعلیمات میں ہمیں اس کی مثال ملتی ہو۔ یہ تربیت حکمت عملی اور پائیداری کے ساتھ جاری رہی تا آنکہ قلیل عرصے میں اسلام کئی براعظموں تک پھیل گیا۔ دوسری طرف اسلامی ریاست کا قیام خود ایک نبوی سیاست کا شاہکار ہے۔ ممتاز عالم دین مولانا محمد طاسین اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''چونکہ نبیٔ اکرمﷺ کے سامنے روز اول سے مقصد یہ تھا کہ اسلامی ہدایات کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا جو عظیم کام شروع ہوا ہے پائیداری کے ساتھ مسلسل جاری رہے۔ اور بالآخر پایہ تکمیل تک پہنچے اور کامیابی سے ہمکنار ہو، لہٰذا آپؐ نے اپنے مخالفین ومعاونین کفار ومشرکین کے مقابلہ میں مختلف حالات وظروف کے اندر مختلف رویے اور طرز عمل اختیار فرمائے۔ مکی دور میں مشرکین قریش کے تشدد کے مقابلہ میں عدم تشدد اور جور وستم کے جواب میں عفو ودرگزر کا رویہ اور طرز عمل اختیار فرمایا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مشرکین وکفار مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلے میں دفاعی جنگ کا رویہ اور طرز عمل اختیار فرمایا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو رویہ اختیار فرمایا وہ مصائب کا رویہ تھا، فتح مکہ کے بعد سازشی مشرکین کے متعلق تشدد اور سختی کا رویہ وطرز عمل اختیار فرمایا۔ اسی طرح مدینہ پہنچنے کے بعد ابتداء میں یہود مدینہ کے مقابلہ میں مصالحت کا رویہ اختیار فرمایا جیسا کہ میثاق مدینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعد میں جب یہودیوں کی طرف سے معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی تو ان کے متعلق تشدد کا رویہ اختیار فرمایا گیا۔ غور سے دیکھا جائے تو آپؐ نے اپنے مخالفین کفار کے مقابلہ میں جن حالات میں جو بھی رویہ اور طرز عمل اختیار فرمایا وہ مقصد مذکور کے لیے مفید اور ضروری تھا۔ مطلب یہ کہ اگر آپؐ مکی دور میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد کفار ومشرکین سے بہت کم اور ان کے پاس اسباب کی بھی بہت قلت تھی، کفار ومشرکین کے تشدد کا جواب تشدد سے دیتے، یا مدنی دور کے ابتدائی سالوں میں مشرکین مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلہ میں دفاعی جنگ کا رویہ اختیار نہ فرماتے اور جنگ کا جواب جنگ سے نہ دیتے، یا فتح مکہ کے بعد مشرکین کے متعلق تشدد کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا اور ان کو من مانی کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا، یا

مدینہ کے ابتدائی دور میں مدینہ کے یہود وغیرہ کے ساتھ مصالحت کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا بلکہ مخالفت کا رویہ اختیار کیا جاتا، اسی طرح بعد میں جب یہود کہ طرف سے معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی اور سازشوں میں شرکت منکشف ہوئی تو اس وقت اگر ان کے متعلق تشدد وسختی کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو اس کے ردعمل کے نتیجہ میں مسلمان جماعت اور اس کے اجتماعی نصب العین کو شدید نقصان پہنچتا اور منزل مقصود کی طرف اس کی پیش قدمی رک جاتی اور عہد نبوت میں معاشرت کی مکمل اصلاح اور تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبہ کا مقصد حاصل نہ ہو پاتا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے :هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ٥(۱۸)[اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس کو تمام دیان پر غالب کر دکھائے اور اگر چہ مشرکین کو کتنا ہی نا گوار گزرے اور وہ غصہ سے کتنے ہی پیچ تاب دکھائیں]۔'' (۱۹)

خلاصہ:

یہاں تو صرف چند واقعات کا مختصر جائزہ لے کر نبیٔ اکرم ﷺ کی حکمت، تدبر، فہم وفراست اور پائیدار حکمت عملی کے حوالے سے بیان کیا گیا، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ عصر حاضر کا تقاضہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر قومہ وملی تحفظ کے لیے کوشاں ہوں اور ایمان کا آخری درجہ یہ ہے کہ ظلم کو ظلم سمجھیں اور حکمت اور تدبر کے ساتھ اپنی نفرت کا اظہار کریں تا کہ دشمن کی توپوں کے دھانے سے بچتے ہوئے اپنے موقف کو اقوام عالم سے منوائیں اور یہ اسی وقت ہو گا جب ہم خود فساد کا ایندھن بننے کے بجائے فساد کے اسباب کو ختم کرنے کے لیے اقوام عالم کو متوجہ کریں۔ موجودہ دور میں اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کے حقیقی روح کو معاشرے میں پروان چڑھانے کی کوششیں کریں۔

نبیٔ اکرم ﷺ کی تعلیمات کا حقیقی پیغام یہ ہے کہ اے مسلمانان عالم! اپنے اصلی نصب العین یعنی دعوت حق کو فراموش نہ کرو اور موعظہ حسنہ کو آج کے محاورے میں پیش کرو اور حکمت تسخیر کائنات سے بہرہ مند ہو جاؤ، دوسروں کی ٹیکنالوجی سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ وَ اَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ(۲۰) ''اور جہاں تک ہو سکے (قوت کے) زور سے'' کے علاوہ ایمان ویقین اعمال صالحہ اور یوم آخرت پر پختہ یقین رکھ کر اس اصول پر آگے بڑھو جس کا درس سیرت نبوی میں ملتا ہے اور وہ درس اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا (۲۱) ''اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن کو) مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا'' میں ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے ہمیں نبیٔ اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی کے ترجیحات متعین کرنی چاہیے، اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

دوسری طرف وطن عزیز کو جن چیلینجز کا سامنا ہے ان میں لسانی وگروہی تعصب، مذہبی فرقے واریت، دہشت گردی،

فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری اور بے روزگاری جیسے اہم مسائل شامل ہیں۔ ملک میں عدل وانصاف، مذہبی یگانگت، رواداری، حلم، محبت، امن وامان اور ملکی سلمیت کی بقاء کا فروغ اسوۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں پھیلاؤ کیا جاسکتا ہے، جس سے معاشرے میں پائیدار حکمت عملی اور اور امن کو فروغ ملے گا اور لوگ امن وسکون اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے ہم میں سے ہرایک کو چاہیے کہ نبی ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ملک کو امن اور سکون کا گہوار بنانے کی کوشش کریں۔قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کا یہی پیغام ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) الاحزاب ۳۳:۲۱　(۲) آل عمران ۳:۱۶۷

(۳) الجامع الصحیح مسلم، باب جامع صلاۃ الیل، ومن نام عنہ او مرض، حدیث نمبر 1739　(۴) القلم ۶۸:۴

(۵) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء ۲/۳۲۱

(۶) الاعراف ۷:۱۹۸　(۷) آل عمران ۳:۱۵۹

(۸) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی الخلافۃ الراشدہ، دار النفائس بیروت، ۱۹۸۳ء ص ۶۲

(۹) ایضاً ص ۶۲　(۱۰) سید محمد سلیم، پروفیسر، اذکار سیرت، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، ص ۶۰

(۱۱) البقرۃ ۲:۱۵۳　(۱۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن ج اول، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص ۱۲۶

(۱۳) مبارک پوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبہ السّلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، ص ۴۵۹　(۱۴) ایضاً ص ۴۶۹

(۱۵) ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا، نبی رحمت، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، ص ۴۳۱　(۱۶) ایضاً ص ۴۴۰

(۱۷) ایضاً ص ۴۵۵　(۱۸) الصف ۶۱: ۹

(۱۹) محمد طاسین، مولانا، سیرت رسول کا سیاسی پہلو، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد، اشاعت سوم ۱۹۹۸ء ص ۲۴

(۲۰) الانفال ۸:۶۰　(۲۱) آل عمران ۳: ۱۰۳